اسلامی افکاراور مغرب کا تصور آزادی

(جامعہ کراچی کے طلبہ کی آراء کی روشنی میں)

Western concept of freedom and Islamic thought

ڈاکٹر نوید اقبال انصاری☆ ڈاکٹر محمد کاشف☆☆

ABSTRACT

Freedom is a term which is supported by almost everyone in West as well as East. But the concept of freedom in West is quite different from the concept of freedom in Islam. Concept of freedom of West challenges the authorities of religion, therefore this concept of West is not accepted by those states and societies where authorities of religion is consented because in this concept wisdom is given authority over religion, whereas, in Islam wisdom is considered as a tool or equipment and authority of Islam cannot be challenged by wisdom. In the following article this concept of west has been briefly discussed to learn that how much this concept of west opposes Islamic concept of freedom. Views of students of mass communication of KU which are soon going to be in media, have been presented. Also, a short view of Imam Ghazali over this has been stated.

***Key Word**:*
Concept of freedom, Islam, religion, media Imam Ghazali, mass communication

---

☆اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ ابلاغ عامہ، جامعہ کراچی

☆☆ریسرچ اسکالر، شعبہ سیاسیات، جامعہ کراچی

آزادی کا تصور ایک خوبصورت تصور ہے، بظاہر ہر انسان آزادی چاہتا ہے مگر یہ آزادی کتنی یا کس حد تک ہو؟ یہ ایک بڑا اہم اور بنیادی سوال ہے۔لفظ 'آزادی' کے ساتھ ایک اہم سوال بھی اپنا وجود رکھتا ہے کہ 'کس سے آزادی؟'، اس سوال سے متعلق مغرب میں یہ تعریف کی گئی ہے کہ ''حدود بندیوں، پابندیوں، جکڑبندیوں اور رکاوٹوں'' کے خاتمے کے نتیجے میں جو شے نمودار ہوگی، دراصل وہی 'آزادی' ہے۔یعنی''Absence of limitation is called freedom'' (۱)

اس سوال پر کہ 'کس سے آزادی؟' غور کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ جن "حدود بندیوں، پابندیوں، جکڑبندیوں اور رکاوٹوں" سے آزادی چاہیے وہ عموماً تین اقسام کی ہوتی ہیں یعنی،(۱)مذہبی رکاوٹیں (۲) معاشرتی اور خاندانی رکاوٹیں (۳) قانونی رکاوٹیں یا پابندیاں مذہبی رکاوٹوں پر غور کیاجائے تو معلوم ہوتا ہے کہ کسی بھی فرد کی انفرادی اور معاشرتی زندگی میں سب سے زیادہ پابندیاں مذہب کی جانب سے ہی آتیں ہیں۔مذہب فرد کی زندگی میں بے شمار شرعی اور اخلاقی رکاوٹیں کھڑی کردیتا ہے۔ مثلاًفرد کے سونے، جاگنے کے اوقات متعین ہوتے ہیں، عبادت کے لیے مخصوص اوقات ہو تے ہیں، حلال و حرام کے حوالے سے ہدایات ہوتیں ہیں،خواتین کے حوالے سے پردہ اور مخلوط ماحول کی پابندیاں، ستر کاحکم، طریقہ تعلیم و مقاصد تعلیم بھی مذہب ہی طے کرتا ہے۔اسی طرح یہ کہ کاروبار کس طرح کرنا ہے، اس سے متعلق شرائط، لباس زیب تن کرنے سے متعلق ہدایات کہ کس طرح اور کس حد تک ستر کا خیال رکھنا ہے، پھر زندگی کے تمام آداب کی پابندی مثلاًمحلہ دار، رشتہ دار، مہمان وغیرہ سے میل جول کے آداب، شادی بیاہ کے آداب۔یوں اگر کوئی انسان بالکل آزاد ہونا چاہے تو آزادی کے حصول یا اس میں اضافے کے لیے مذہبی پابندیاں سب سے بڑی رکاوٹ کے طور پر سامنے آتی ہیں۔مذہبی ایمانیات وعقائد کی آزادانہ تشریحات میں مذہبی رہنما مثلاً پادری، علماء اور پنڈت وغیرہ کا اہم کردار ہوتا ہے یہ لوگوں کو مذہبی تعلیمات (یعنی پابندیوں) سے روشناس کراتے ہیں اور اس سلسلے میں تلقین و تنبیہ کرتے ہیں چنانچہ یہ مذہبی رہنما یعنی یہ اتھارٹی بھی آزادی کی راہ میں رکاوٹ بنتی ہے۔باالفاظ دیگر ایک مذہبی معاشرے میں، مذہبی رکاوٹیں ہی(مغرب کے تصور آزادی کے مطابق یا مطلق) آزادی کی رہ میں حائل ہوتی ہیں۔لہذا ایک ایسی ریاست کا وجود لانا ہو کہ جہاں

مکمل آزادی ہو یعنی فرد آزاد ہو کہ وہ اپنی مرضی کے تحت مذہبی تعلیمات و احکامات پر چاہے عمل کرے یا بالکل نہ کرے، وہاں مذہبی اتھارٹی کو ختم کرنا ضروری ہوگا۔

مذہب کے بعد 'آزادی' کی راہ میں رکاوٹیں معاشرہ اور خاندان لاتا ہے۔مثلاً نئی نسل پر سب سے زیادہ پابندیاں خاندان کے بزرگ اور ماں باپ لگا تے ہیں۔اخلاقی و غیر اخلاقی فکر یہی لوگ دیتے ہیں، محرم و نامحرم کے درس پر عمل درآمد بھی یہی اتھارٹی عمل کراتی ہے۔گھریلو ذمے داریوں کا بوجھ بھی یہی اتھارٹی ڈالتی ہے۔اس تناظر میں مغرب کا فلسفی ڈیلوز کہتا ہے کہ سب سے بڑا استعمار درحقیقت خاندان اور ماں باپ ہوتے ہیں جو بچے کو پیدائش کے وقت سے ہی جکڑ بندیوں کا شکار کر لیتے ہیں، یعنی بچپن ہی سے ایک بچے پر اپنی مخصوص زبان، مخصوص ثقافت، روایات اور طرز فکر مسلط کردی جاتی ہے۔(۲)

اسی طرح خاندان کی جانب سے بہت ساری رکاوٹیں ماں، باپ، بھائی اور شوہر وغیرہ کی اتھارٹی آزادی میں رکاوٹیں کھڑی کرتی ہیں۔چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ مغربی معاشرے میں جیسے جیسے 'آزادی' کا حصول تیز تر ہوا ویسے ویسے وہاں خاندانی نظام کم زور ہوا اور ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہوا۔ جب کسی معاشرے میں مرد و زن کو آزادی یا حقوق مل رہے ہوں تو یہ اس بات کی علامت ہے کہ معاشرے میں مذہبی، معاشرتی، خاندانی پابندیاں رکاوٹیں ختم ہونے ختم ہونے کے باعث اس معاشرے میں مذہب، معاشرت و خاندان کے حفظ مراتب بھی ختم ہو رہے ہوتے ہیں۔دراصل معاشرے میں میں موجود ایسی اتھارٹیوں جن کے پاس رکاوٹ کھڑی کرنے کی طاقت ہوتی ہے ان سے ان کی یہ رکاوٹ کھڑی کرنے کی قوت چھین کران کی قوت(اتھارٹی) کو کمزور کرکے ان کی قوت واتھارٹی کو فرد میں منتقل کرنے کا نام حق ہے۔لبرٹی صرف ایک آئیڈیا اصول نہیں ہے یہ کچھ مخصوص کرنے کی موثر قوت ہے۔لبرٹی کا مطالبہ دراصل قوت کا مطالبہ ہے حاصل شدہ موثر قوت کے ساتھ اکثر قوت کے تقسیم کا مسئلہ لاحق ہوتا ہے۔سوچنے کی قوت اور خیالات کے اظہار کی قوت،ہی کچھ کرنے کی قوت(power to do)ہے۔ (۳)

غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ معاشرے میں موجود ایسی اتھارٹیز (یعنی ایسی قوتیں) جن کے پاس فرد کے سامنے رکاوٹ کھڑی کرنے کی صلاحیت (یا قوت) ہوتی ہے ان سے رکاوٹ کھڑی کرنے کی یہ قوت چھین کر فرد کو منتتقل کردی جاتی ہے، اسی عمل کو آزادی کا نام دیا جا تا ہے۔

یہ منتقلی حق کے نام پر کی جاتی ہے کہ یہ قوت صرف فرد کا حق ہے، یہی وجہ ہے کہ مغرب میں 'حق' کے حصول کے لیے مختلف ادارے (این جی اوز) کام کر رہے ہیں۔چنانچہ غور کریں تو معلوم ہوگاکہ جب کسی معاشرے میں خواتین یا بچوں کے حقوق کا مطالبہ کیا جارہا ہوتا ہے تو اس کا دوسرا مطلب یہ بھی ہوتا ہے کہ مذہب، اخلاقیات، روایات، خاندانی بالخصوص ماں، باپ، بھائی اور شوہر کی جانب سے مسلط کردہ اخلاقی، مذہبی، روایاتی جکڑبندیوں، پابندیوں اور ان کی اتھارٹی کو کمزور کرکے (یعنی ان کی قوت چھین کر) 'حق' کی اصطلاح کے تناظر میں فرد کی سطح پر عورت یا بچے کو منتقل کردی جائے اور ریاست ان اتھارٹی کی قوت ختم کرکے فرد کی پشت پر کھڑی ہو جائے تاکہ ریاست کی قوت کے بل پر ان ختم ہونے والی اتھارٹی کے دباؤ کے اثرات کو ختم کیا جا سکے۔

جیسا کہ جان لاک کہتا ہے 'میرا جسم میری ملکیت ہے'، گویاجب میرا جسم میری ملکیت ہے تو پھر کوئی اس پر کسی قسم کا حق نہیں رکھتا کہ وہ کوئی حکم سے مثلاًماں، باپ، خاندان اور مذہب وغیرہ کہ فلاں کام نہ کرو، فلاں کام غلط یا گناہ ہے۔(۴)

اس عمل سے معاشرے میں ایک بڑی تبدیلی واقع ہوتی ہے، مثلاً اس تصور آزادی کے تحت جس معاشرے میں افراد اپنے بزرگوں (ماں ، باپ وغیرہ) کی خدمت کے لیے اپنا وقت صرف کریں گے ان کی زندگی میں رکاوٹ زیادہ ہوگی بہ نسبت ان افراد کے جو اپنے بزرگوں کی خدمت نہیں کرتے لیکن پھر ایسے آزاد معاشرے میں بزرگوں کی دیکھ بھال کے لیے 'اولڈ ہاؤسز' بھی لازمی ہونگے اور ڈے کیئر سینٹرز بھی ہونگے جہاں والدین اپنے بچوں کو دن بھر چھوڑ کر خود آزادی سے اپنا وقت ملازمت وغیرہ میں گزار سکتے ہیں۔

آزادی' کے اس تصور میں قانونی رکاوٹ بھی اہم سمجھی جاتی ہے۔یہ تصور کیا جاتا ہے کہ قانون فرد کی آزادی کی راہ میں رکاوٹ ہے۔ قانونی رکاوٹوں کی سب سے خطرناک بات اس میں پنہاں ہوتی ہے کہ فرد اگر ان جکڑبندیوں کو نظر انداز کرکے آزادی حاصل کرنا چاہتا ہے تو اسے سزا بھگتنی پڑتی ہے۔اس لیے ایک آزادمعاشرے اور فرد کی زندگی میں سب سے زیادہ عملی رکاوٹیں، پابندیاں قانونی جکڑبندیوں کی شکل میں ہوتی ہیں۔اسی لیے اس سے نجات کے لیے ایسی تحریکات کی ضرورت پیش آتی ہے کہ ان قانونی دائرہ کار کو محدود کیا جائے یا پھر ایسی قانون سازی ہو کہ جس

کا مقصد (یاجس کے نتیجے میں)قانونی دائرہ کار کی وسعت و خطرناکی کا خاتمہ ہو سکے اور غیر موثر ہو سکے نیز سب سے بڑھ کر یہ کہ قانونی پابندیوں کے نتیجے میں بھی 'آزادی' برآمد ہو۔اسی لیے مغرب میں سزائے موت کے خلاف مختلف این جی اوز کام کر رہی ہیں۔زنا بالجبر کی سزا سنگسار کے بجائے کم سے کم کیے جانے یا ختم کیے جانے کے مطالبات کیے جارہے ہیں۔امریکی قانون میں شادی کے لیے 'مرد اور عورت' کی شرط طے تھی جس کو آزادی کی رہ میں رکاوٹ سمجھا گیا اور قانونی طور پر اس رکاوٹ کو اس طرح دور کردیا گیا کہ اب امریکی قانون میں شادی کی تعریف میں ترمیم کرکے لفظ 'مرد و عورت' کے بجائے ایک شخص (پرسن)کردیا گیا یعنی اب ایک پرسن کسی دوسرے پرسن سے شادی کرسکتا ہے خواہ ان کی جنس ایک ہی ہو۔یوں قانونی طور پر ہم جنس پرستی کی آزادی بھی فرد کو مل گئی۔(۵)

فرانس نے بھی اپنے ملکی قوانین میں شادی کی تعریف بدل ڈالی اور سن دو ہزار تیرہ سے یہاں بھی ہم جنس پرستوں کو شادی کے لیے قانونی سہارا مل گیا۔دنیا بھر میں کم و بیش14 ممالک میں اس قسم کی قانون سازی کر کے فرد کی آزادی کو مزید بڑھا دیا گیا۔ان ممالک میں کینیڈا، ناروے، آئس لینڈ، اسپین، سوئیڈن، ڈنمارک، ارجن ٹائن، یوروگوئے، ساؤتھ افریقہ اور نیدر لینڈ وغیرہ شامل ہیں۔(٦)واضح رہے کہ فرانس دنیا کا وہ واحد ملک ہے کہ جہاں انقلاب فرانس کے بعد محرمات سے نکاح کی اجازت دی گئی تھی لیکن جنوری سن دو ہزار دس کو فرانس نے آئینی ترمیم کے ذریعے اس کو جرم قرار دیدتھا۔(۷)

لیکن آزادی کی یہ حد ابھی جاری ہے اور مغرب 'آزادی' سے مزید فیض یاب ہونا چاہتا ہے اور اس کے مفکرین اس فکر میں مبتلا ہیں کہ مزید آزادی کیسے حاصل کی جائے؟ اس صدی کا ایک بڑا فلسفی ڈیلوز اپنی کتاب میں لکھتا ہے کہ ابھی آزادی کہاں حاصل ہوئی ہے ابھی تو محرمات کا احترام باقی ہے یعنی ابھی تک ماں بیٹا، باپ بیٹی، بہن بھائی کے رشتے قائم ہیں ان شتوں میں نکاح کی اجازت نہیں ہے یہ کیسی آزادی ہے؟(۸)

مغربی معاشرے پر ایزایا برلن کے پیش کردہ ٹو کونسیپٹ آف لبرٹی (آزادی کے دو تصورات)کے بھی بہت گہرے اثرات ہیں بلکہ یوں کہا جائے تو درست ہوگا کہ مغرب میں ایزایا

برلن کے پیش کردہ تصور کوہی آزادی کا سو فیصد درست تصور تسلیم کی جا چکا ہے اور اس تصور کو ہی پوری دنیا میں لاگوکرنے کی یا اپنانے کی بھرپور کوشش کی جاری ہے۔ایزایا برلن اپنے مضمون(آزادی کے دو تصورات) میں آزادی کے تصور کو دو حصوں میں بیان کیا ہے جس میں ایک حصہ 'مثبت آزادی'اور دوسرا حصہ'منفی آزادی' پر مشتمل ہے۔ برلن کے مطابق منفی آزادی کے تحت ہرانسان اپنی ذات میں آزاد ہے کہ وہ خیر اور شر کا جو چاہے تصور قائم کرے اوراس کو اس ضمن میں حق خود ارادیت مکمل طورپر حاصل ہے نیز اس حق میں کوئی بھی مداخلت نہیں کر سکتا۔(۹)

گویا اس آزادی کے تحت ہر شخص انفرادی طور پر آزاد ہے کہ جو چاہنا چاہے، چاہ سکتا ہے کو ئی دوسرا اس کی چاہت میں مداخلت نہیں کر سکتا اور اگر ایسا کرنے کی کو شش کریگا تو ریاست ایسا نہیں کرنے دے گی کیونکہ ریاست کو مثبت آزادی کے تحت ایسا کرنے کا حق حاصل ہے۔اس بات کواس طرح بھی سمجھا جا سکتا ہے کہ ایک شخص شراب پینے کو گنا ہ تصور نہیں کرتا بلکہ اچھا تصور کرتا ہے تو پھر اپنے حق خود ارادیت کے تحت وہ شراب پی سکتا ہے اورکوئی بھی شخص اس کے اس عمل میں مداخت نہیں کر سکتا۔اگرکوئی دوسرا اس کو شراب پینے سے روکنے کی کوشش کرے تو اس کو ایسا کرنے سے روک دیا جائے۔لیکن سوا ل یہ پیدا ہوتا ہے کہ یہ روکنے والی 'قوت' کون ہوگی؟ یہ قوت ریاست ہوگی یعنی منفی آزادی کو یہ برقرار رکھنے کے لیے کوشش کرے گی لہذا ایک شخص شراب پینا چاہتا ہے تو اسے آزادی ہے کہ پی لے مگر کوئی دوسرا شخص آکر اس کا ہاتھ پکڑ لیتاہے کہ شراب پینا صحت کیلئے یا اخلاقی طور پر صحیح نہیں ہے تو ایسی صورت میں ریاست کی پولیس مداخلت کرکے اس شخص کو پکڑ لے گی جو شراب پینے منع کر رہا ہے چنانچہ پولیس شراب پینے والے کو آزادی دے گی کہ وہ شراب پی لے۔

آزادی کے اس تصورکے تحت بظاہر لگتا ہے کہ یہ آزادی کوئی بری شےء نہیں لیکن غورکریں تو آزادی کایہ تصور پورے معاشرے کی بنیاد ہلا کررکھ دیتا ہے، اس تصورنے مذہب میں خدا کے تصور کوجڑ ہی سے کاٹ کرنہیں رکھ دیا بلکہ پورے معاشرے کو پلٹ کر رکھ دیا ہے۔اس تصورکے تحت اب ہرانسان آپ اپنی ذات میں ایک خدا بن بیٹھاہے، پہلے ایک طاقتور ذات

(خدا) انسان کو تصورفراہم کرتا تھا کہ نیکی کیا ہے اورا شرکیا ہے مگر آزادی کے اس تصور کے بعد ہر انسان یہ خود طے کر سکتا ہے کہ اس کے لیے کیا درست ہے اور کیا غلط ہے۔اگر مذہب کہتا ہے کہ شراب پینا یا زنا کرنا جرم اور گناہ کی بات ہے تو یہ بات اپنی جگہ مگر کسی بھی انسان کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ ان تمام کو گناہ نہیں بلکہ اچھی بات سمجھے بلاروک ٹوک اس پر عمل بھی کر سکے اور اس کی پوری آزادی اسے حاصل ہوگی اوراگر کوئی ایساکرنے سے روکنے کی کوشش کرے تو ریاست مداخلت کرکے اسے ایسا نہیں کرنے دے گی۔

آزادی کے اس تصور میں درحقیقت ان تمام اتھارٹیز کے اختیار چھین کر فرد کو انفرادی سطح پر دے دیئے گئے ہیں جو پوری انسانی تاریخ میں فرد کو انفرادی سطح پر حاصل نہیں رہے ان اتھارٹیز میں مذہب اور خاندان سرفہرست ہیں۔مثلاً سب سے بڑا اختیار مذہبی اعتبار سے خدا کا حاصل رہا ہے یعنی خدا ہی وہ سب سے بڑی اتھارٹی ہوتی ہے جو لوگوں کو اچھے برے کا تصور دیتی ہے اور ہدایت دیتی ہے کہ کیا کرنا اور اور کیا نہیں کرنا۔اسی طرح مذہب کے پیغام کوآگے پیش کرنے والے لوگ مثلاً پادری یا مولوی وغیرہ وہ اتھارٹی ہوتے ہیں جو لوگوں کی زندگیوں کو مذہبی احکامات کے مطابق زندگی گزارنے کا پابند کرتے ہیں۔مذہب یا مذہبی لوگوں کی جانب سے یہ ہدایات مذہبی نقطہ نظر سے تو اچھی باتیں ہوتیں ہیں تاہم مغرب کے پیش کردہ تصور آزادی کے نقطہ نظر سے دیکھا جائے تو یہ ایک انسان کی زندگی کو پابند کر رہی ہیں، اس کی آزادی میں رکاوٹ ڈال رہی ہیں۔ایزایا برلن کے تصور آزادی کے تحت یہ تمام آزادی کی راہ میں روکاوٹ ہے کیونکہ ان مذہبی پابندیوں کے باعث ایک فرد اپنی مرضی نہیں چلا سکتا، مذہب کی ہدایت کے خلاف نہیں جا سکتا۔مثلاً شراب پینا چاہے تو نہیں پی سکتا لہذا تصورآزدی کے تحت یہ طے کر لیا گیا کہ مذہب کو بھی فرد کی زندگی میں مداخلت سے روک دیا جائے، فرد کو مرضی اور اختیار دیدیا جائے کہ وہ مذہب کسی ہدایت پر عمل کرے یانہ کرے یہی وجہ ہے کہ مغربی ممالک میں ریاست کے تمام قوانین مذہب کے برعکس سیکولر ہوتے ہیں جب کہ عوام اپنی عبادت گاہوں میں مذہب پرعمل کرنے کے لیے آزاد ہوتے ہیں۔یوں آزادی کے اس تصور کے تحت اب مذہب فرد پر کسی قسم کی اتھارٹی کی حثیت نہیں رکھتا۔

اگر ماضی میں دیکھیں تو معلوم ہوگا کہ قدیم دور (یونان) میں 'آزادی' دراصل ایک 'اجتماعی آزادی' کی شکل میں تھی جس میں اتھارٹی کمیونٹی کو حاصل تھی، فرد کی آزادی کی اہمیت نہیں تھی گویا ماضی کا ایک فرد 'پبلک افیئر' میں تو خود مختار تھا مگر وہ نجی تعلقات یا زندگی میں غلام ہی تھا جبکہ جدید عصر میں فرد اپنی نجی زندگی میں بھی آزاد ہے۔(۱۰)

آزادی کے تصور کے حوالے سے آئیزہ برلن نے آزادی کی دو اقسام 'ٹو کونسپٹ آف لبرٹی' بیان کیں ہیں جو کہ عصر جدید میں بھی کار فرما ہیں۔اس کے مطابق رکاوٹوں کے خاتمے کے نتیجے میں جو آزادی میسر آتی ہے وہ منفی آزادی ہوتی ہے اور آزادی کا اجتماعی اظہار مثبت آزادی ہوتی ہے۔(۱۱)

واضح رہے کہ یہاں مغربی فلسفے میں منفی آزادی سے مراد کوئی بری شے نہیں بلکہ یہ بنیادی نوعیت کی آزادی ہے جس کے بغیر آزدی کا سفر رک جاتا ہے دوسری طرف عالمی منشور حقوق انسانی بنیادی طور پر اس منفی آزادی کا ضامن ہوتا ہے اور اس کو حتی المکان فروغ دیتا ہے۔یہی وجہ ہے کہ عالمی تناظر میں ان ریاستوں کو ناکام تصور کیا جاتا ہے جو فرد کی اس منفی آزادی یعنی 'حق خود ارادیت' کی ضمانت دینے میں ناکام رہتی ہے۔اسی لیے ایسی تمام ریاستیں جو عالمی منشور حقوق انسانی کی ضامن ہیں حقوق انسانی کے حوالے سے اچھی شہرت کی حامل ہیں۔

منفی آزادی کا تعلق فرد کی نجی زندگی سے ہوتا ہے اور فرد کی نجی زندگی کا مطلب صرف اس کی ذات ہے۔عالمی منشور حقوق انسانی کے تحت فرد کی نجی زندگی کا مطلب 'میں' ہے جبکہ اس کے اہل و عیال اس کی اجتماعی زندگی میں شامل نہیں نیز اس کے اہل و عیال پر حقوق و آزادی کا اطلاق مثبت آزادی کے تحت ہوگا کیونکہ ہر شخص اپنی نجی اور انفرادی زندگی میں خود ارادیت کا حامل ہے۔اسی طرح اس کے ماں باپ، بیوی اور بچے بھی اپنی نجی و انفرادی زندگی میں حق خود ارادیت کے حامل ہیں اور دونوں ایک دوسرے کی نجی زندگی میں مداخلت نہیں کر سکتے،اس لیے ایک فرد اپنے بیوی، بچوں پر بھی اپنا خیر مسلط نہیں کر سکتا،یوں عالمی منشور انسانی کے تحت کوئی باپ اپنے بیٹے اور بیٹی کو شراب پینے، زنا کرنے، نائٹ کلب جانے سے نہیں روک سکتا نہ ہی انھیں نماز پڑھنے یا پردہ کرنے پر مجبور کر سکتا ہے نیز نہ ہی بزرگوں کا کہنا ماننے پر مجبور کر سکتا ہے۔

آزادی کی حدود و قیود کے حوالے سے اس کی پیمائش ممکن نہیں ہے نہ ہی اس کو کسی پیمانے سے ناپا جا سکتا ہے۔ آزادی میں اضافہ صرف رکاوٹوں کے خاتمے سے ہوتا ہے یوں لا متناہی رکاوٹوں کے خاتمے سے لا متناہی آزادی حاصل ہوگی۔یہی وجہ ہے کہ وہ معاشرے زیادہ آزاد سمجھے جاتے ہیں کہ جہاں رکاوٹیں کم ہوتیں ہیں۔اس لیے رکاوٹوں کا خاتمہ

کسی حادثے یاواقعے کے نتیجے میں نہیں ہوگا بلکہ یہ ایک پروسس ہوگا جس کے نتیجے میں آزادی حاصل ہوتی رہے گی اور یہ تسلسل ہمیشہ جاری رہے گا یعنی جیسے جیسے رکاوٹوں کی نشاندھی ہوتی رہے گی ویسے ویسے آزادی کے دائرہ کار میں اضافہ ہوتا رہے گا۔(۱۲)

ایک خیال یہ بھی ہے کہ رکاوٹ درحقیقت کچھ نہیں ہوتی بلکہ یہ صرف انسانی فکر کو"آزادی کے زیر اثر" لے آنے کا نام ہے مثلاً کوئی شخص بخوشی اپنے بزرگ کی خدمت کرتا ہے یہ بزرگ اس کے لیے رکاوٹ متصور نہیں ہوگا لیکن اگر وہ مذکورہ تصور آزادی اختیار کرلے گا تو پھر یہ بزرگ اس کی آزادی میں رکاوٹ متصور کیا جانے لگے گا۔

رکاوٹوں کے بغیر (یعنی آزاد معاشرے میں) فرد کسی دوسرے پر انحصار نہیں کرتا اور نہ ہی کسی کو جواب دہ ہوتا ہے نہ ریاست کو، نہ ماں باپ، خاندان کو، نہ معاشرے کو، نہ اخلاقیات کو اور نہ ہی مذہب کو کیونکہ وہ حق خودارادیت کا حامل ہوتا ہے۔ آزادی کا وضاحتی اصول یہ ہے کہ ایک فرد خود مختارانہ طور پر اپنی زندگی کا منصوبہ خود طے کرسکتا ہے۔(۱۳)

روایتی اور مذہبی تہذیبوں میں آزادی بطور صلاحیت استعمال ہوتی تھی آزادی کو اقدار کی سطح پر کوئی اہمیت حاصل نہ تھی یعنی فرد کو خیر اور شر میں سے کسی ایک کو اختیار کرنے کی آزادی ہوتی تھی وہ بھی مشروط اور فرد جب خیر یا شر میں سے کوئی ایک اختیار کرتا تھا تو وہ ان کے تحت ہی زندگی گزارتا تھا مثلاً جب کوئی فرد اپنی آزادی سے خیر زدہ زندگی کو اختیار کرتا تھا تو خیر کو اپنے مذہب و شریعت کے تابع کردیتا تھا۔اسی طرح اگر کوئی فرد ایک خیر زدہ زندگی کو چھوڑ کر ایک شر زدہ زندگی گزارتا تو یہ بھی بطور صلاحیت کا استعمال تھا کیونکہ خدا نے یا معاشرتی، مذہبی یا خاندانی اتھارٹی نے اس کے لاشعور میں یہ بیٹھادیا تھا کہ اگر وہ شر کو اختیار کریگا تو اسے بطور شر ہی اختیار کریگا نہ کہ اس کو خیر کے طور پر اختیار کریگا۔ ماضی کی تہذیبوں کے برعکس مغربی تصور آزادی میں ایسے اعمال و فکر جس کے نتیجے میں موجودہ آزادی کم ہو جائے یا اس میں رکاوٹ آئے وہ غلط، قابل گرفت اور شیطانی عمل ہے۔ایسے فرد کے اعمال نفسیاتی اور پاگل پن پر مبنی ہے چنانچہ اس کی اصلاح، علاج اور درستگی کی ذمے داری معاشرے، میڈیا اور بالخصوص ریاست کی ہے جس کے لیے ریاست جبر کا استعمال کرنا، قانوناًدرست عمل ہوگا تاکہ ایک غیر رکاوٹی آزادی یعنی مطلق آزادی کے حصول کو ممکن بنایا جاسکے۔

چنانچہ اس تناظر میں دیکھیں تو معلوم ہوگا کہ مغرب میں گینز ورلڈ ریکارڈ بک میں مغربی افراد طرح طرح کے خیر تخلیق کرکے ریکارڈ بنا رہے ہیں مثلاً ایک وقت میں زیادہ سے زیادہ افراد کا زنا کرنا یا ہزاروں افراد کا کھلے میدان میں برہنہ جمع ہو کر ریس لگانے کا ریکارڈ وغیرہ۔یوں دیکھا جائے تو مغرب کے اس تصور آزادی اور مذہب کو اتھارٹی سمجھ نے

والوں کے تصور آزادی میں بڑافرق ہے، مذہب کو اتھارٹی ماننے والوں کے نزدیک ایسی کسی آزادی کا کوئی تصور ہی نہیں کہ جس میں کسی مذہبی اتھارٹی کو چیلنج کیا جائے، کسی مذہبی تقدس کو پامال کرنے کی کوشش کی جائے چنانچہ یہی وجہ ہے کہ جب کبھی بھی مغربی تصور آزادی کے تحت کسی مذہبی شخصیت کے لیے توہین آمیز الفاظ استعمال کیے گئے، ان کا مذاق اڑایا گیا یاان کے کارٹون بنائے گئے تو مذہبی نظریات رکھنے والوں نے ایسی کسی بھی آزادی کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیااور ایسے عمل پر بھرپور احتجاج کیا۔ یہ احتجاج ان ریاستوں میں ہوا کہ جہاں مغرب کا یہ تصور آزادی رائج نہیں، توہین کے یہ واقعات بھی ان ہی ممالک میں ہوئے جہاں مغرب یہ تصور آزادی موجود ہے چنانچہ ان مغربی ریاستوں نے توہین کے ان واقعات پر اپنارد عمل اسطرح ظاہر کیا کہ گویا یہ کوئی جرم نہیں بلکہ ایک فرد کی آزادی ہے اور توہین کرنے سے روکنے کا مطلب فرد کی آزدی میں روکاوٹ ڈالنا ہو گا۔ مغرب کا تصور آزادی ہی یہ ہے کہ وہ انفرادی سطح پر آزادی کا حق دیتا ہے جس کے تحت وہ اس قدر آزاد ہے کہ نیکی کا اور بدی کا جو تصور بھی چاہے قائم کر سکتا ہے اور کوئی اس کو اس سلسلے میں روک نہیں سکتا اور اگر روکے گا تو ریاست اس سلسلے میں اس کی مدد کرے گی اور ریاست کا یہ مدد کرنا 'پوزیٹیو فریڈم' کے تحت ہو گا۔ مثلاً ایک نوجوان اگر رات کو شراب پی کر دیر سے گھر آتا ہے تو والدین اس کو سزا نہیں دے سکتے، ایک تھپڑ بھی نہیں مار سکتے (کہ نوجوان اپنے آزادی کے حق کے تحت شراب پینے اور رات دیر سے گھر آنے کو غلط نہیں سمجھتا)، اور اگر والدین اس کو سزادیتے ہیں تو پھر ریاست اپنا 'پوزیٹیو فریڈم' کا حق استعمال کرتے ہوئے والدین کو اولاد کی شکایت پر تھانے کی سیر بھی کرا سکتی ہے، یعنی اس آزادی کے تحت والدین کا وہ اخلاقی اور مذہبی حق بھی ختم ہو گیا کہ جس کے تحت وہ اپنی اولاد کو ڈانٹ ڈپٹ کر سکتے تھے۔ دوسرے لفظوں میں مغرب میں رائج آزادی کے اس حق کے تحت مذہب اور معاشرتی اخلاقی قدریں سرے سے ختم ہو گئیں۔ اب مغرب کی یہی آزادی عالمی ادارے اقوام متحدہ کے ذریعے پوری دنیا میں مسلط کرنے کی کوشش کی جارہی ہے، بنیادی انسانی حقوق کے عالمی منشور میں بھی یہی تصور آزادی ہے چنانچہ اسی آزادی اظہارے رائے کے تحت وہ باتیں کیں جاتی ہیں کہ جو مذہبی لحاظ سے کسی صورت جائز نہیں خواہ وہ مذہب اسلام ہو یا عیسائیت وغیرہ۔ گویا اب کوئی کسی مذہب یا مذہبی شخصیت کی توہین کرے تو وہ توہین نہیں ہو گی بلکہ عین اظہارے رائے کے مطابق عمل ہو گا۔(۱۴)

آزادی کا یہ تصور آج سرمایہ دارنہ نظام سمیت سوشل ازم، لبرل ازم، کمیونزم، انارکزم، نیشنل ازم، فیمین ازم وغیرہ سب میں مشترک ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آج جن ریاستوں میں اس تصور پر عمل نہیں ہو رہا ہے وہاں بڑے ممالک اپنی طاقت کے ذریعے عمل کرانا چاہ رہی ہیں اور یہ کام ترجیحی سطح پر کیا جارہا ہے مثلاً پاکستان میں جب سوشل میڈیا

پر مذہب کی توہین سے متعلق مواد سامنے آیااور اس سلسلے میں چند افراد کے لاپتہ ہونے کی خبریں آئیں کہ جب پر اس مواد کو سوشل میڈیا پر پیش کرنے کا شبہ تھا،ان لاپتاافراد کے معاملے پر برطانیہ اور امریکہ کا پاکستان کے خلاف بڑا سخت موقف سامنے آیا جس میں انھوں نے کہا کہ ہم آزادی اظہارے رائے کو بڑی اہمیت دیتے ہیں اور اس معاملے کوانتہائی سنجید گی سے لیتے ہیں اور پاکستان کی صورتحال کا جائزہ لیتے رہیں گے۔ برطانوی ترجمان کے مطابق برطانیہ اظہارئے رائے کی آزادی پر مکمل یقین رکھتاہے اوراس عمل کی حمایت کرتاہے۔(۱۵)

اسلامی احکامات کے تناظر میں آزادی کا تصور

اسلام میں انسان کو نظم وضبط میں رکھنے کے لیے جہاں کچھ آزادی دی گئی ہیں وہی پابندیاں بھی عائد کی گئی ہیں، مغرب کے تصور آزادی کی طرح انسان کو کھلا نہیں چھوڑا گیا کہ جو جی میں آئے فیصلہ کرے۔ مثلاً اسلام میں مردوں کو اپنی نگاہوں کے استعمال کی بھی مکمل آزادی نہیں دی گئی بلکہ نگاہوں کو بھی پابند کرنے کا حکم دیا گیاہے، جیسا کہ ارشاد ہوتا ہے،"مومن مردوں سے کہہ دو کہ اپنی نظریں نیچی رکھا کریں اور اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کیا کریں۔ یہ ان کے لئے بڑی پاکیزگی کی بات ہے اور جو کام یہ کرتے ہیں خدا ان سے خبر دار ہے"(۱۶)

اسی طرح خواتین کو بھی بعض معاملات میں پابند کیا گیاہے،اس سلسلے میں ارشاد باری تعالیٰ ہے،"اور مومن عورتوں سے بھی کہہ دو کہ وہ بھی اپنی نگاہیں نیچی رکھا کریں اور اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کیا کریں اور اپنی آرائش (یعنی زیور کے مقامات) کو ظاہر نہ ہونے دیا کریں مگر جوان میں سے کھلا رہتاہو۔اور اپنے سینوں پر اوڑھنیاں اوڑھے رہا کریں اور اپنے خاوند اور باپ اور خسر اور بیٹیوں اور خاوند کے بیٹوں اور بھائیوں اور بھتیجیوں اور بھانجوں اور اپنی (ہی قسم کی) عورتوں اور لونڈی غلاموں کے سوا نیز ان خدام کے جو عورتوں کی خواہش نہ رکھیں یا ایسے لڑکوں کے جو عورتوں کے پردے کی چیزوں سے واقف نہ ہوں (غرض ان لوگوں کے سوا) کسی پر اپنی زینت (اور سنگار کے مقامات) کو ظاہر نہ ہونے دیں۔اور اپنے پاؤں (ایسے طور سے زمین پر) نہ ماریں (کہ جھنکار کانوں میں پہنچے اور) ان کا پوشیدہ زیور معلوم ہو جائے۔اور مومنو! سب خدا کے آگے توبہ کرو تاکہ فلاح پاؤ۔"(۱۷)

کھانے پینے کے معاملے میں بھی انسانوں پر کچھ پابندیاں عائد کی گئی ہیں چنانچہ ارشاد خداوندی ہے کہ "لوگو جو چیزیں زمین میں حلال طیب ہیں وہ کھاؤ۔اور شیطان کے قدموں پر نہ چلو۔وہ تمہارا کھلا دشمن ہے"(۱۸)

مغرب نے دولت کمانے کی بھی آزادی دی ہے کہ جیسے چاہو دولت کماؤ مگر اسلام میں اس کے لیے بھی ہدایات ہیں بے لگام آزادی نہیں مثلاً ارشادی باری تعالیٰ ہے کہ "جو لوگ سود کھاتے ہیں وہ (قبروں سے) اس طرح (حواس باختہ) اٹھیں گے جیسے کسی کو جن نے لپٹ کر دیوانہ بنادیا ہو یہ اس لئے کہ وہ کہتے ہیں کہ سودا بیچنا بھی تو (نفع کے لحاظ سے) ویسا ہی ہے جیسے سود (لینا) حالانکہ سودے کو خدا نے حلال کیا ہے اور سود کو حرام۔ تو جس شخص کے پاس خدا کی نصیحت پہنچی اور وہ (سود لینے سے) باز آگیا تو جو پہلے ہو چکا وہ اس کا۔ اور (قیامت میں) اس کا معاملہ خدا کے سپرد اور جو پھر لینے لگا تو ایسے لوگ دوزخی ہیں کہ ہمیشہ دوزخ میں (جلتے) رہیں گے "(۱۹)

امام غزالیؒ کی تصورآزادی پر تنقید

امام غزالیؒ کہتے ہیں کہ بچے والدین کے پاس خدا کی امانت ہیں اس میں اچھی باتیں پیدا کردی جائیں اور اسے علم پڑھایا جائے تو وہ ایسی ہی عمدہ نشوونما پاکر دنیا و آخرت کی سعادت حاصل کرلیتا ہے اور اگر جانوروں کی طرح آزاد چھوڑا جائے تو بد اخلاق ہوکر تباہ ہوجاتا ہے۔حیادار بچہ کو ہرگز آزاد نہیں چھوڑنا چاہیے بلکہ اس کی حیا و تمیز سے مدد لیتے ہوئے اس کی خوب تربیت کرنی چاہیے۔(۲۰)

آپؒ فرماتے ہیں کہ انسان جانوروں کی طرح آزاد اور بیکار نہیں پیدا کیا گیا بلکہ اس کو اشرف المخلوقات اور شریعت کا پابند بنایا گیا ہے اس لیے تم کو مناسب ہے کہ جو کام کرو سنت کے موافق کرو، تاکہ نفس محکوم اور مطیع بنارہے اور فرشتہ خصلت بن جاؤ، اور یوں سمجھو کہ بندگی بیچارگی کا نام ہے اس لیے بندہ کو چاہیے کہ جو حرکت بھی کرئے وہ اتباع رسولﷺ کی نیت اور پیغمبر کے حکم سے کرے تاکہ آثار بندگی ہر وقت ظاہر ہوتے رہیں اور ہر دم اطاعت کااجر ملتا رہے پابندی وہ چیز ہے کہ اگر فرضاً کوئی شخص اپنا تمام اختیار کسی جانور کے ہاتھ میں دے دے تب بھی یہ شخص اس سے اچھی حالت میں ہوگا جو سراپااپنی خواہش پر چلتا ہے۔(۲۱)

امام غزالیؒ ارادہ انسانی اور انسان کو دی جانے والی آزادی بطور صلاحیت کے متعلق لکھتے ہیں کہ انسان کو غصہ کیوں آتا ہے ظاہر اس کا سبب حکم خداوندی میں دخیل ہونا اور دست اندازی کرنا ہے کیونکہ غصہ کرنے والے کا مطلب یہ ہے کہ یہ کام میری مرضی کے موافق کیوں نہ ہوا، اور ارادہ خداوندی کے موافق کیوں ہوا؟ اب تم ہی بتاؤ کہ یہ حماقت ہے یا نہیں؟کیا ہم حق تعالیٰ کے

ارادے کو اپنے ارادے اور منشاء کے تابع بنانا چاہتے ہیں۔یہ ضرور مسلم ہے کہ انسان کو اختیار و ارادہ دیا گیا ہے جس سے وہ اچھے یا برے کام کرتا ہے۔مگر اختیار و ارادہ کی عطا بھی تو اسی خدا کی ہے اور پھر تمام اسباب کا مہیا کردینا اور کامیابی دنیا غرض ابتداء سے انتہا تک سب کچھ خدا ہی کے اختیار میں ہے تو ایسی حالت میں ناز کیونکر صحیح ہوسکتاہے۔(۲۲)

امام غزالیؒ نے مسلمانوں کو خدا کا منظور نظر اور پسندیدہ عبد بننے میں مدد فراہم کرنے والے آداب کو کتاب الاداب فی الدین میں جمع فرمادیا نیز ایک عبد کی اسلامی معاشرے میں بطور ایک کلیت جتنی حیثیت و شکلیں و مظہر ہوسکتے ہیں ان تمام کو ہردم خدا کی اطاعت و رضا کا پابند ہونے میں ایسی معاونت فراہم کردی ہیں جس سے انسان آزادانہ فکر و عمل کی خرابی سے بچ سکے اس حوالے سے کہ ایک عبد کے شب و روز کس طرح خدا کی اطاعت و رضا اور عبادت کے دائرے میں محسور رہیں اس کے لیے خصوصی طور پر امام غزالیؒ نے کتاب ہدایۃ الھدیہ تحریر فرمائی جس میں ایک مسلمان کے سونے جاگنے، کھانے پینے، رفع حاجات، وضو، غسل تک طریقوں اور پابندیوں کا ذکر فرمایا اور جو شخص اچھا نیک مسلمان بننا چاہتا ہے اپنا رتبہ مسلمان سے مومنوں میں،متقیوں میں،ولیوں میں شامل کرنا چاہتا ہے اسے اتنی ہی شدت سے اسلام کے احکامات پر عمل کرنا ہوگا اور اپنی آزادی کو ترک کرکے اچھے عبد کی صورت اختیار کرنی ہوگی!

امام غزالیؒ، ابوالیثؒ ک ایک آیت کی تفسیر بیان فرماتے ہیں کہ اپنے نفس کو قابو کرے اور نفسانی خواہشات کے پیچھے نہ لگے، اس لیے کہ نفس ایک بت ہے، جس نے نفس کی عبادت کی وہ بت پرستی کررہا ہے اور جس نے اخلاص کے ساتھ صرف اللہ کی عبادت کی، وہی نفس پر قابو پانے والا ہے۔شہوت بادشاہوں کو غلام بنالیتی ہے اور صبر غلاموں کو بادشاہ بنادیتی ہے جیسا کہ حضرت یوسفؑ صبر کی دم سے حکمران اور زلیخا شہوت کی وجہ سے حقیر و فقیر بن گئی۔(۲۳)

مغرب کا تصور آزادی اور شعبہ ابلاغ عامہ کے طلبہ کی آراء کا ایک تحقیقی جائزہ

مغرب کے تصور آزادی کے خطرناک پہلوئوں کو دیکھتے ہوئے محقق نے یہ جاننا ضروری سمجھا کہ ہماری نئی نسل کااس سلسلے میں کیاتصور ہے؟ خصوصاًوہ نوجوان جو میڈیامیں جاکر کام کریں گے اور عوام کی رہنمائی بھی کریں گے یا ان کی سوچ وخیالات میڈیاکے ذریعے لوگوں تک پہنچیں گے،ان کے خیالات اس ضمن میں کیاہیں؟ چنانچہ یہ جاننے کے

لیے جامعہ کراچی میں شعبہ ابلاغ عامہ کے طلبہ سے سن دو ہزار پندرہ میں ایک سروے میں محقق نے ان کی رائے پوچھی گئی کہ آپ کے نزدیک مغرب کا تصور آزادی کیسا ہے؟ یہ رائے چار سو طلبہ سے لی گئی۔ سروے کے مطابق ساٹھ فیصد طلبہ نے جواب دیا کہ مغربی معاشرے میں رائج تصور آزادی ایک اچھا تصور ہے اور پاکستان میں بھی ایسی ہے آزادی ہونی چاہیے جبکہ چالیس فیصد طلبہ نے اس کے برعکس رائے دی۔یہ سروے جن سے کیا گیا وہ ابلاغ عامہ کے آنرز سال اول اور دوئم اور ایم اے سال اول و دوئم کے طلبہ تھے۔قابل ذکر بات یہ ہے کہ ان تمام طلبہ نے مغرب کے تصور آزادی سے متعلق کوئی کتاب نہیں پڑھی تھی گویا انھوں نے اپنے ماحول اور میڈیا سے حاصل ہونے والی معلومات کو دیکھتے ہوئے جوابات دیئے۔محقق نے ان طلبہ کو مغرب کے مختلف مفکرین کے فلسفہ آزادی سے متعلق ایک ایک گھنٹے کے چار لیکچر دیئے اور انھیں مغرب کے تصور آزادی سے متعلق معلومات فراہم کرنے کے بعد ان سے سوال کی کہ اب ان کی رائے مغرب کے تصور آزادی کے بارے میں کیا ہے ان طلبہ کی رائے تبدیل ہو چکی تھی ان میں سے ستر فیصد طلبہ نے اپنی رائے میں کہا کہ مغرب کا تصور آزادی درست نہیں، پاکستان میں ایسی آزادی نہیں ہونی چاہیے جبکہ تیس فیصد طلبہ نے کہا کہ مغرب کی آزادی ہماری آزادی سے مکمل نہ سہی مگر بہت حد تک بہتر ہے۔آزادی کا موضوع ایک اہم موضوع ہے ہمارا میڈیا بھی آزادی کی بات ترجیحی بنیادوں پر کرتا ہے طلبہ سے کیے گئے سروے میں بھی طلبہ کی ایک معقول تعداد نے اس بات کی حمایت کی ہے کہ پاکستان میں بھی مغرب جیسی آزادی ہونی چاہیے چنانچہ اس تناظر میں اس بات کی اشد ضرورت محسوس ہوتی ہے کہ مغرب میں رائج 'تصور آزادی' کا جائزہ لیا جائے کہ درحقیقت ان کا یہ تصور ہے کیا؟ کیا جو تصور ان کے نزدیک ہے ہم اس سے واقف بھی ہیں یا نہیں؟ اور ہمارے تصور آزادی اور ان کے تصور آزادی میں کس حد تک فرق ہے؟ نئی نسل کو آزادی کے تصور کی یہ حقیقت بتا کر ان کی درست سمت میں رہنمائی کی جاسکتی ہے۔

حوالاجات

۱۔ htt://plato.standford. edu........Athurity, First publish.....H.victor page 92 [03-07-2015]

۲۔ Deleuzo, Gilles & Felix Guattari, Anti-Edipus Capitalism & Schizophrenia continuum, London, 2003, p170

۳۔ Mathew Festenstein, Michael Kenny, Political ideologies, Oxford University Press, NY, 2010, p94-95

۴۔ https://www.libertarianism.org/columns/john-locke-some-problems-lockes-theory-private-property [08-09-2015]

۵۔ Spalding , Matthew , A Defining Moment: Marriage, the Courts and the Constitution, Backgrounder, Heritage Foundation, Washington, p3

۶۔ http://www.bbc.com/news/world-europe-21305150 [February 2, 2013]

http://www.bbc.com/news/world-europe-21200685 [January 13, 2013]

http://www.bbc.com/news/world-europe-21433198 [February 12, 2013]

[http://www.bbc.com/news/world-europe-22579093 [18 May 2013]

۷۔ ww.telegraph.com.pk [25-01-15]

۸۔ Deleuzo, Gilles & Felix Guattari, Anti-Edipus Capitalism & Schizophrenia continuum, London, 2003, p46, 52

۹۔ https://davidlarkin.files.wordpress.com/2012/01/berlin_twoconceptsofliberty.pdf

۱۰۔ Matew Festenstein, Michal, Kenny, Political ideologies, Oxford University Pdress. Ny 2010 p-232

۱۱۔ https://davidlarkin.files.wordpress.com/2012/01/berlin_twoconceptsofliberty.pdf

۱۲۔ Honderich, Ted, (Ed.), The Oxford Companion to Philosophy, Oxford University Press, Oxford, 1995, p485

۱۳۔ Matew Festenstein, Michal, Kenny, Political ideologies, Oxford University Pdress. Ny 2010

۱۴۔ غیر مطبوعہ پی ایچ ڈی مقالہ "مغرب کے فلسفہ حقوق انسانی کے مسلم معاشرے پر اثرات اور ان کا امام غزالی کی تعلیمات کی روشنی میں جائزہ" ،محقق محمد کاشف، جامعہ کراچی باب دوئم، صفحہ نمبر 16 ، سن 2016

۱۵۔ اخبارات 14 جنوری، کراچی، ۲۰۱۷

۱۶۔ سورۃالنورآیت نمبر 30

۱۷۔ سورۃالنورآیت نمبر 31

۱۸۔ سورۃالبقرآیت نمبر168

۱۹۔ سورۃالبقرآیت نمبر275

۲۰۔ غزالیؒ،امام،کیمیائے سعادت،(مترجم: مولانا فخر الدین احمد صدیقی) دارالاشاعت،کراچی، سن نادارت،ص۵، ۲۰۱۲ء

۲۱۔ مجربات امام غزالیؒ،(مترجم:مولانا سید حافظ یاسین علی حسنی نظامی)، الفیصل ناشران، لاہور،ص۱۲۲، ۲۰۰۲ء

۲۲۔ میزان عمل،(مترجم: ملک نصر اللہ خان)، مجموعہ رسائل، جلد دوئم،دارالاشاعت،کراچی،ص۹۰۲، ۲۰۱۴

۲۳۔ مفتا ح السالکین(منہاج العابدین)،(مترجم: علامہ طارق اسمعیل)، زاویہ پبلشر، لاہور،ص۴۳۱، ۲۰۰۹